پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ

آیت ۵۴

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۳۴

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ
ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ
فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ۭ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

۲:۳۴:۱ اللغة

[وَاِذْ] کے معانی واستعمال پر ابھی اوپر [۲:۳۳:۱] میں بات ہوئی تھی۔ اور یہ (وَاِذْ) اگلی آیات میں بھی (البقرہ: ۸۴ تک) بتکرار آئے گا "وَ" کے معانی واستعمالات کی وضاحت کے لیے دیکھیے الفاتحہ: ۵ [۱:۴:۱(۳)] اور البقرہ: ۸ [۲:۷:۱(۱)]۔ اور "اِذْ" کے استعمال اور معنی کے لیے دیکھئے البقرہ: ۳۰ [۲:۲۲:۱(۱)]۔

[قَالَ مُوْسٰی] "قَالَ" کا مادہ "ق و ل" اور وزن اصلی "فَعَلَ" ہے۔ اصلی شکل "قَوَلَ" تھی جس میں اہل عرب واو متحرک ماقبل مفتوح کو الف میں بدل کر لکھتے اور بولتے ہیں اور یوں "قَوَلَ" سے "قَالَ" ہو جاتا ہے اس مادہ سے فعل مجرد "قال یقول قولاً" (کہنا) ۔ کے باب معنی اور استعمال پر البقرہ: ۸ [۲:۷:۱(۴)] میں بات ہو چکی ہے۔ اس فعل مجرد کے متعدد صیغے اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔

"موسیٰ" ایک معروف نبی کا نام ہے۔ ویسے اس لفظ (عَلَم) کی اصل کے بارے میں البقرہ: ۵۱ [۲:۳۳:۱(۲)] میں وضاحت کی گئی تھی۔ اس طرح "واذ قال موسیٰ" کا ترجمہ ہوا "اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے:"

© rasailojaraid.com

۲:۳۴:۱(۱) [لِقَوْمِهٖ] یہ لام الجر + قوم + ہ (ضمیر مجرور متصل) کا مرکب ہے۔ اس میں لام (لِ) تو فعل "قال" کے ساتھ استعمال ہونے والا لام الصلہ ہے قال لِ...... = اس نے ..... کو/سے کہا۔ ضمیر (ہ) کا ترجمہ یہاں "اس کی، اپنی" ہے۔ اس طرح "لِقَوْمِهٖ" کا ترجمہ "اپنی قوم سے" یا "اپنی قوم کو" بنتا ہے جسے بعض نے "اپنی قوم کے لوگوں سے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔

- لفظ "قَوْمٌ" (جو عبارت میں خفیف اور مجرور آیا ہے) کا مادہ "ق و م" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ یہ مادہ کثیر الاستعمال اور اس کے مشتقات کثیر المعانی ہیں۔ اس مادہ سے فعل مجرد (قام یقوم = کھڑا ہونا) کے باب اور معنی وغیرہ پر الفاتحہ: ۶ [۱:۵:۱(۴)] میں اور پھر البقرہ: ۳ [۲:۲:۱(۲)] میں اس سے مزید فیہ کے ابواب (استفعال اور افعال) کے ساتھ بحث گزر چکی ہے۔
- لفظ "قَوْم" اس مادہ سے ایک اسم جامد ہے جس کے معنی ہیں: "لوگوں کی ایسی جماعت جن کو کوئی ایسی چیز (یکجا) جمع کرتی ہو جس کی خاطر وہ سب سرگرم عمل ہوں"۔ عربی میں بنیادی طور پر یہ لفظ صرف "مردوں کی جماعت" پر بولا جاتا ہے (اس کی ایک مثال الحجرات: ۱۱ میں ہے)۔ اگرچہ بعض دفعہ اس میں عورت بھی شامل سمجھی جاتی ہے (دیکھئے القاموس للفیروزآبادی)۔ قریبی رشتہ داروں اور حامیوں وغیرہ کو بھی کسی آدمی کی "قوم" کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے (قرآن کریم میں دونوں استعمال آئے ہیں)۔ ــــــ کبھی

© rasailojaraid.com

کبھی یہ لفظ (کسی خاص سیاق میں) "اعداء" (دشمنوں) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے (مگر یہ استعمال قرآن میں نہیں آیا)

● اگرچہ اس لفظ کی جمع مکسر "اقوام" وغیرہ بھی آتی ہے (قرآن میں نہیں)، تاہم خود لفظ "قوم" اسم جمع ہے۔ اور اس کی صفت اسی لحاظ سے آتی ہے۔ مثلاً "قومٌ جاهلون" (جاہل لوگ)۔ اردو میں "قوم" کا ترجمہ "لوگ" کیا جا سکتا ہے (جو خود اردو میں اسم جمع ہے)۔ اگرچہ خود لفظ "قوم" بھی اردو میں مستعمل ہے۔ آج کل جو اردو لفظ "قومیت" (بمعنی nationality) استعمال ہوتا ہے اس کے لیے عربی میں لفظ "الجنس" اور "الجنسية" استعمال ہوتے ہیں۔

● اور کسی ایک ملک میں رہنے والے لوگوں کو "وہاں کی قوم" کہا جاتا ہے مثلاً پاکستانی ایک قوم ہیں اسی طرح مصری، ایرانی (وغیرہ) ایک قوم ہیں تو ان معنی کے لیے عربی لفظ "أُمَّة" (یا "شَعْب")، استعمال ہوتا ہے جس کی جمع "أُمَم" (اور "شعوب") ہوتی ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ (U.N.O) کو عربی میں "الامم المتحدة" کہتے ہیں۔ یہاں لفظ "اقوام" بھی عربی لفظ ہے مگر وہاں یہ لفظ ان معنی کے لیے مستعمل نہیں جس کے لیے ہم اسے اردو میں استعمال کرتے ہیں۔ لفظ "قوم" مختلف صورتوں (مفرد مرکب معرفہ نکرہ) میں چار سو کے قریب (۳۸۲) مقامات پر وارد ہوا ہے۔

[يٰقَوْمِ] میں "یا" تو حرف ندا بمعنی "اے" ہے۔ اور "قَوْم" دراصل "قَوْمِي" (میری قوم، میرے لوگو) ہے۔ عرب لوگ کئی دفعہ "یَ" یعنی یائے متکلم مضاف الیہ (مجرور) کو لکھنے اور بولنے میں گرا دیتے ہیں اور اس کے مضاف کے آخر پر صرف کسرہ (ـِ) لکھتے اور بولتے ہیں۔ یہ کسرہ (ـِ) ہی ساقط ہونے والی "ی" کی نشانی ہوتی ہے۔ لفظ "قوم" پر لغوی بحث ابھی اوپر کی جا چکی ہے۔ یہاں "یا قوم" کا ترجمہ تو ہے "اے میری قوم" جسے بعض نے صرف "اے قوم" ہی رہنے دیا ہے (کیونکہ اس سے پہلے "لقومه" = اپنی قوم سے (کہا) آیا ہے)۔ اور بعض نے خالص اردو محاورے کے مطابق اس کا ترجمہ "بھائیو!" کیا ہے۔

[اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ] "انکم" تو "اِنَّ" (بے شک) اور "کم" (تم) کا مرکب ہے جس کا ترجمہ "تحقیق / بے شک / یقیناً تم نے" ہے۔

[ظَلَمْتُمْ] کا مادہ "ظ ل م" اور وزن "فَعَلْتُمْ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد (ظلَم يظلِم) کے باب معنی وغیرہ کی وضاحت البقرہ: ۱۷ [۱:۱۳:۲ (۱۰)] میں کی جا چکی ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ "تم نے ظلم کیا / نقصان کیا / بڑا نقصان کیا / بڑا ہی ظلم کیا / تباہ کیا" کی صورت میں کیا گیا ہے۔ اس میں "بڑا" اور "بڑا ہی" کا استعمال محاورے کا زور پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

[اَنْفُسَكُمْ] جو اَنفس + کم (تمہارا/تمہاری) ہے۔ اس میں لفظ "اَنْفُسَ" (جو عبارت میں خفیف اور منصوب ہے جس کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی) کا مادہ "ن ف س" اور وزن "اَفْعُلٌ" ہے۔ یہ ایک جمع مکسر ہے۔ اس کا واحد "نَفْسٌ" بروزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس مادہ کے نہ صرف فعل مجرد کے باب و معنی وغیرہ بلکہ لفظ "انفس" کی لغوی بحث اس سے پہلے البقرہ: ۹ [۲:۸:۱(۴)] میں کی جا چکی ہے۔ یہاں اوپر والے فعل "ظلمتم" کے مختلف تراجم کی مناسبت سے "انفسکم" کا ترجمہ "اپنی جانوں پر/اپنا/اپنے اوپر ہی/اپنے اوپر/اپنے تئیں" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔

[بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ] یہ "بِ + اتخاذ + کم + العجل" کا مرکب ہے یہاں "باء" (ب) سببیت کے لیے ہے جس کے معنی ہیں: ... کی وجہ سے/کے ذریعے/کے سبب سے۔ "باء" کے مختلف معانی اور استعمال کی بحث "استعاذہ" میں اور پھر البقرہ: ۴۵ [۲:۳۰:۱(۱)] میں ہو چکی ہے [اِتِّخَاذُ] کا مادہ "ا خ ذ" (یا بقول بعض "ت خ ذ") ہے اور وزن "اِفتعال" ہے یعنی یہ باب افتعال کا مصدر ہے (جو عبارت میں خفیف اور مجرور ہے جس کی وجہ "الاعراب" میں بیان ہوگی)۔ اس مادہ (اخذ) سے فعل مجرد کے باب و معنی پر البقرہ: ۴۸ [۲:۳۱:۱(۵)] میں بات ہوئی تھی۔ اور باب افتعال کے فعل (اتخذ یتخذ) کے معنی وغیرہ پر مفصل بحث البقرہ: ۵۱ یعنی [۲:۳۳:۱(۵)] میں کی جا چکی ہے۔ (بنانا، پکڑنا، بنا لینا وغیرہ) [العجل] کے مادہ اور معنی وغیرہ پر ابھی اوپر البقرہ: ۵۱ [۲:۳۳:۱(۶)] میں — اس کا ترجمہ "بچھڑا" ہے۔

اس ترکیب (باتخاذکم العجل) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے "بسبب تمہارے پکڑنے/بنانے بچھڑے کو کے" جس کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ "تمہارا بچھڑے کو بنا لینے کی وجہ سے"، "تمہارا بچھڑے کو اختیار کرنے/مقرر کر لینے کے سبب سے" کیا گیا ہے۔ جسے بعض نے مصدر کی بجائے حال سے ترجمہ کیا ہے "بچھڑے کو بنا کر، ٹھہرا کر"۔ اور بعض نے تفسیری ترجمہ "پوج کر" کر لیا ہے اور بعض نے محاورہ، اختصار (اور تفسیر) کو سامنے رکھتے ہوئے "اپنی گوسالہ پرستی/گوسالہ گیری/سے" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ اس عبارت پر مزید بحث حصہ "الاعراب" میں آئے گی جس سے ان مختلف تراجم میں فرق کی نحوی بنیاد کا پتہ چلے گا۔

۲:۳۴:۱(۲) [فَتُوْبُوْا] میں ابتدائی "فاء" (فَ) تو عاطفہ (بمعنی پس، اس لیے) ہے۔ اور [تُوْبُوْا] کا مادہ "ت و ب" اور وزن اصلی "اُفْعُلُوْا" ہے۔ یہ دراصل "اُتْوُبُوْا" تھا جس میں متحرک حرف علت (جو یہاں "وُ" ہے) کی حرکت (ـُ) اس سے ماقبل حرف صحیح (جو یہاں "ت" ہے) کو

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

دے دی جاتی ہے۔ پھر ابتدائی ہمزۃ الوصل کو (کتابت اور تلفظ دونوں میں) ساقط کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اب "ت" کے متحرک ہو جانے کی بنا پر اس کی ضرورت نہیں رہتی گویا " اُتْوُبُوا = اُتُوبُوا = تُوبُوا (جس کا وزن اب "فُوْلُوْا" رہ گیا ہے)

● اس ثلاثی مادہ (توب) سے فعل مجرد "تاب یتوب تَوْبَۃً" (توبہ کرنا، باز آنا وغیرہ) کے باب، معنی اور مختلف صلات کے ساتھ استعمال کے بارے میں البقرہ: ۳۷ [۲:۲۷:۱(۴)] میں وضاحت کی جا چکی ہے [تُوبُوا] اس فعل مجرد سے فعل امر معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ ہے "تم باز آجاؤ/ توبہ کرو" جسے بعض مترجمین نے "تم متوجہ ہو/ رجوع لاؤ" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے جو اس فعل (تاب یتوب) کے بنیادی معنی (لوٹنا، توجہ کرنا، رجوع کرنا) پر مبنی ہے۔ اس سے فعل امر کی گردان ہو گی تُبْ - تُوبَا - تُوبُوا - تُوبِیْ - تُوبَا - تُبْنَ۔

۲:۳۴:۱(۳) [اِلٰی بَارِئِکُمْ] یہ "اِلٰی + بَارِئُ + کُمْ" کا مرکب ہے۔ اس میں "اِلٰی" تو یہاں سابقہ فعل "تُوبُوا" کا صلہ ہے "تُوبُوا اِلٰی ......" = تم توبہ کرو/ باز آؤ/ متوجہ ہو.... کی طرف/ کی جانب/ کے آگے"۔ آخری "کُمْ" ضمیر مجرور (یہاں) بمعنی "تمہارا/ اپنا" ہے بعض نے یہاں احتراماً "اِلٰی ....." کا ترجمہ "....کی جناب میں" سے کیا ہے۔

● لفظ "بَارِئُ" (جو عبارت میں مجرور بالجر اور آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف بصورت "بَارِیء" آیا ہے) کا مادہ "ب ر ء" اور وزن "فَاعِلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب سے مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً:

(۱) "بَرِئَ یَبْرَأُ بَرَاءَۃً" (سمع سے) کے معنی ہیں: الگ ہونا، خلاصی پانا، بیزار ہونا، بے تعلق ہونا، برکنار ہونا/ بری ہونا" ــــــ یہ فعل زیادہ تر کسی ناگوار شے مثلاً بیماری، قرض یا عیب سے خلاصی پانے یا کسی آدمی سے الگ ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس پر "مِنْ" کا صلہ لگتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: "بَرِئَ مِنَ العیبِ/ التھمۃِ/ الدَّیْنِ/ المرض/ فلانٍ" (وہ عیب/ تہمت/ قرض/ بیماری/ فلاں آدمی سے خلاصی پا گیا/ الگ ہو گیا)۔ اس الگ یا برکنار یا بے تعلق ہونے والے کو عربی میں "بَرِیْءٌ" (بروزن فَعِیْلٌ) کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا معنوں کے لیے قرآن کریم میں اس سے کوئی صیغۂ فعل تو نہیں آیا مگر اس سے مشتق اسم صفت "بَرِیْءٌ" ۱۱ جگہ اور اس کا مصدر "براءۃ" دو جگہ آیا ہے۔ بلکہ "بَرِیْءٌ" ہی کے معنی میں اردو میں لفظ "بری" استعمال ہوتا ہے اسی لیے "بَرِئَ یبرأُ" کا اردو ترجمہ "بری ہونا" بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور "بَرِیْءٌ" ہی کے ہم معنی لفظ "بَرَاءٌ" (بروزن فَعَالٌ) ہے یہ لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہے (الزخرف ۲۶) ۔ اور ان دونوں کلمات (بَرِیْءٌ اور بَرَاءٌ) کی جمع مکسر "بُرَآءُ" (غیر منصرف بروزن فُعَلاءُ) بھی قرآن

© rasailojaraid
© rasailojaraid.com

کریم میں آئی ہے (الممتحنۃ: ۴) ۔ اہلِ حجاز خاص طور پر بیماری سے بری (شفایاب) ہونے کے لیے یہی فعل باب "فتح" سے بھی بولتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "بَرَأ من المرض" ــــــ اور شاذ یہ فعل باب کرم سے بھی آتا ہے مثلاً "بَرُؤَ یَبْرُؤُ الرجلُ" کا مطلب ہے "آدمی کا نیک نیت یا کھرا ہونا" ــــــ اس سے توصفت "بَرِیءٌ" ہی آئے گی۔

(۲) بَرَأَ ..... یَبْرَأُ بُرْءًا (باب فتح سے) بطور فعل متعدی بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی ہیں "... کو پیدا کرنا، ... کو عدم سے وجود میں لانا"۔ بعض اہلِ لغت "خلَق" اور "بَرَأَ" میں یہ فرق کرتے ہیں کہ "خلَق" جاندار بے جان سب چیزوں کے پیدا کرنے کے لیے آتا ہے۔ جب کہ "بَرَأَ" خاص جاندار چیزوں ہی کے بارے میں آتا ہے[1] ــــــ اس فعل مجرد (باب فتح) سے اور ان معنی میں فعل مضارع معروف کا صرف ایک صیغہ ایک ہی جگہ قرآن کریم میں آیا ہے (الحدید: ۲۲) ۔ البتہ اس سے اسم الفاعل "بَارِیءٌ" قرآن میں تین جگہ آیا ہے۔ دو جگہ تو اسی زیر مطالعہ آیت میں اور ایک دفعہ (الحشر: ۲۴) میں بصورت "البارِیءُ" (معرف باللام) آیا ہے۔

● بعض حضرات نے دوسرے معنی (پیدا کرنا) کی پہلے معنی (الگ کرنا) کے ساتھ یہ مناسبت بیان کی ہے کہ گویا ایک چیز کو نیستی یا عدم سے الگ کرکے ہستی یا وجود کی طرف لایا جاتا ہے[2]۔

فعل مجرد کے ایک صیغے کے علاوہ قرآن کریم میں اس مادہ سے بابِ افعال، تفعیل اور تفعّل سے مختلف صیغہ ہائے فعل ۹ جگہ آئے ہیں۔ اور مختلف مشتق اسماء اور مصادر وغیرہ ۱۲ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ ان کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

● زیر مطالعہ لفظ "بارِئِکُم" اس فعل مجرد (بمعنی پیدا کرنا) سے اسم الفاعل ہے اس کا ترجمہ "پیدا کرنے والا" ہے جسے بعض نے "خالق" اور بعض نے "خدا" کی صورت میں ترجمہ کر لیا ہے۔ "اِلٰی" کا ترجمہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح اس عبارت "الی بارِئکم" کا ترجمہ سابقہ فعل (فتوبُوا) کے ساتھ ملا کر کیا جائے گا یعنی "فتوبوا الی بارِئکم" (پس تم توبہ کرو/متوجہ ہو/رجوع کرو اپنے پیدا کرنے والے/خالق/خدا کی طرف/کی جانب/کی جناب میں) ۔ اس ترجمے کے تمام اجزاء کی لغوی بحث (الگ الگ) اوپر گزری ہے۔

۲:۵۴:۱ (۴) [فَاقْتُلُوْا] ابتدائی فاء (فَ) عاطفہ (بمعنی "اس لیے") ہے "فاء" (فَ) کے معنی اور استعمال کی وضاحت البقرہ: ۲۲ [۲:۱۶:۱ (۱۰)] میں کی جاچکی ہے۔

---

[1] مد القاموس یعنی "E.W.Lane's Lexicon" [2] قاموس قرآن ج ۱ ص ۱۷۴۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور "اُقْتُلُوْا" کا مادہ "ق ت ل" اور وزن "اُفْعُلُوْا" ہے یعنی یہ اس مادہ سے فعل مجرد کا صیغۂ امر (جمع مذکر حاضر) ہے جس کا ابتدائی مضموم ہمزۃ الوصل "فا" ئے عاطفہ" سے ملاتے وقت تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے (اگرچہ کتابت میں موجود رہتا ہے)۔

اس مادہ سے فعل مجرد "قَتَلَ .... یقتُل قَتْلاً (نصر سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "... کو مار ڈالنا، ... کو قتل کرنا"۔ (لفظ "قتل" اپنے اصل عربی معنی کے ساتھ اردو میں مستعمل ہے)۔ یہ مادہ اور اس سے افعال اور دیگر مشتقات قرآن کریم میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً صرف فعل مجرد سے افعال کے مختلف صیغے ۸۰ سے زائد جگہ آئے ہیں۔ اور مزید فیہ کے ابواب تفعیل، مفاعلہ اور افتعال سے مختلف صیغہ ہائے فعل ۶۱ جگہ اور مختلف مصادر اور اسمائے مشتقہ وجامدہ ۲۵ جگہ وارد ہوئے ہیں۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

"فاقتلوا" کا ترجمہ "قتل کرو، مارو، مار ڈالو، ہلاک کرو" کیا گیا ہے بعض نے اس کا ترجمہ "کھوؤ" سے کیا ہے جو مبہم بھی ہے اور لفظ سے ہٹ کر بھی ہے۔

[اَنْفُسَكُمْ] کے معنی وغیرہ ابھی اوپر ۲:۳۴:۱(۱) کے بعد اور ۲:۳۴:۱(۲) سے پہلے بیان ہو چکے ہیں ("ظلمتم انفسکم" کے ضمن میں دیکھئے)۔ جب کوئی مادہ پہلی دفعہ آتا ہے (اسم کی صورت میں ہو یا فعل یا حرف کی شکل میں) تو اس کے ساتھ قطعہ بندی کا حوالہ نمبر دے کر اس پر لغوی بحث وہیں کر لی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس مادہ سے جو بھی کلمہ آتا ہے اس پر حوالہ نمبر نہیں دیا جاتا بلکہ اس سے ماقبل صرف ایک لکیر ڈال دی جاتی ہے ایسے کلمات کے لیے گزشتہ حوالے کی ضرورت پر اس سے ماقبل اور مابعد والے حوالے کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ جیسے یہاں "انفسکم" کے لیے کیا گیا ہے۔ ویسے "ن ف س" مادہ پہلی دفعہ البقرہ: ۹ یعنی [۲:۸:۱(۴)] میں سامنے آیا تھا۔

● زیر مطالعہ عبارت میں "انفسکم" کا ترجمہ گزشتہ فعل "فاقتلوا" (قتل کرو) کے ساتھ ملا کر کیا جائے گا یعنی "اپنی جانوں کو" ۔ یا "اپنی جانیں"۔ بعض مترجمین نے غالباً مضمون کی وضاحت (یا تفسیر) کے پیش نظر اس کا ترجمہ "بعض آدمی بعض کو" اور "اپنے لوگوں کے ہاتھوں اپنے تئیں" کی صورت میں ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ بعض نے اس کا ترجمہ "اپنے اشخاص کو" کیا ہے جو اصل سے بھی بھاری بھر کم ہے۔

۲:۳۴:۱(۵) [ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ] یہ ایک جملہ اسمیہ ہے جس کا مبتدا "ذٰلکم" دراصل "ذٰلِكَ" ہی ہے (بمعنی "وہ") جس پر کافِ خطاب کا اضافہ ہو گیا ہے اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا

اور [خَيْرٌ] کا مادہ "خ ی ر" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "خارَ يَخِيرُ خَيْرًا" (ضرب سے)

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

آتا ہے اور یہ لازم متعدی دونوں طرح مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً "خار الرجلُ" (لازم) کے معنی ہیں۔ خیر والا ہونا، اچھے حالات میں ہونا، ساز گار ہونا" اور "خار الرجل علی ....: (متعدی) کے معنی "... آدمی کو .... پر فضیلت دی ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے کوئی صیغہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ مزید فیہ کے ابواب اِفتعال اور تفعّل سے مختلف صیغہ ہائے فعل کل ۱۶ جگہ آتے ہیں۔ اور اس مادہ سے ماخوذ اور مشتق مصادر اور اسماء وغیرہ بکثرت (۱۹۰ جگہ) آئے ہیں جن میں خود ہی لفظ (خَیر) مختلف صورتوں (مفرد مرکب معرفہ نکرہ) ۱۷۶ جگہ وارد ہوا ہے۔

● یہ لفظ (خَیر) دراصل اس مادہ (خ ی ر) سے أفعل التفضیل ہے یعنی یہ دراصل "اَخْیَرُ" تھا۔ مگر یہ لفظ عربی زبان میں اسی شکل (خـیر) میں (لفظ "شرٌّ" کی طرح اور اس کے مقابلے پر) أفعل التفضیل کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں "ذٰلك خیرٌ من ھـذا" (وہ اِس سے زیادہ اچھا ہے) اور "خیرالراحمین" (رحم کرنے والوں میں سے سب سے اچھا)۔ جب لفظ "خیر" أفعل التفضیل کے معنی میں استعمال ہو تو اس کا اردو ترجمہ "بہتر / زیادہ بہتر، زیادہ اچھا، خوب تر" سے کیا جا سکتا ہے۔

● أفعل التفضیل (Superlative degree) کے علاوہ لفظ "خَـیْرٌ" عام اسم یا مطلق صفت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی: "بھلائی نیکی، مال دولت، کامل خیر، اچھا، عمدہ، خوشگوار" ہوتے ہیں بلکہ بقول راغب اصفہانی ہر وہ شے جس کی طرف رغبت اور میلان سب میں پایا جاتا ہو، جو مرغوب اور دل پسند ہو وہ "خیر" ہے۔ جیسے حکمت کو (قرآن میں) "خیر کثیر" کہا گیا ہے ـــــــ "خَـیْرٌ" کی جمع "اخیار" بمعنی "اچھے لوگ" قرآن کریم میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ اور اسی معنی میں اس کی جمع "خِیار" بھی آتی ہے جو اگرچہ قرآن میں تو نہیں آئی مگر احادیث نبویہ میں استعمال ہوتی ہے۔

● لفظ "خَیْر" جب أفعل التفضیل کے طور پر نہیں بلکہ مطلقاً صفت (اچھا، عمدہ، بھلا کے معنی میں) ہو تو مؤنث کے لیے اس کے آخر پر تائے تانیث (ۃ) بھی لگا لیتے ہیں اور "خَیرۃٌ" ہی کی جمع "خیراتٌ" آتی ہے (یعنی اچھے کام۔ اچھی باتیں) اور اسی سے "خیراتٌ حِسان" (الرحمٰن: ۷۰) بمعنی "اچھی خوبصورت عورتیں" آیا ہے۔ اگر تفضیل کے معنی میں ہو تو "خیرۃ الناس" کہنا غلط ہے بلکہ "فلانۃ خیرُ الناس یا خیرُ النساء" (فلاں عورت سب مردوں یا عورتوں سے بہتر / زیادہ اچھی ہے) کہیں گے۔ اسی طرح یہ لفظ بصورت "اَخْیَرُ" (جو اس کی اصل شکل تھی) بھی استعمال نہیں ہوتا اور "خیر" کا تثنیہ یا جمع بھی عموماً استعمال نہیں ہوتا کیونکہ یہ زیادہ بمعنی "افعلُ مِن .... " ہی استعمال ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

● زیر مطالعہ عبارت میں لفظ "خَیْرٌ" بطور افعل التفضیل ہی استعمال ہوا ہے۔ اس لیے اس کا ترجمہ "بہتر" سے ہی کیا گیا ہے اگرچہ یہاں اسے عام اسم صفت بھی سمجھا جا سکتا ہے [لَکُمْ] (جو لام الجر + ضمیر مجرور "کُمْ" ہے) کا ترجمہ تو بنتا ہے "تمہارے لیے" جسے بعض مترجمین نے "تمہارے حق میں" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے یوں اس پورے جملے "ذلکم خیر لکم" کا ترجمہ "وہ/یہ بہتر ہے تمہارے لیے/تمہارے حق میں" کی صورت میں ہو سکتا ہے

۲:۵۴:۱(۶) [عِنْدَ بَارِئِكُمْ] "بارئکم" ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ یعنی [۲:۵۴:۱(۳)] میں۔ جس کا ترجمہ "تمہارا پیدا کرنے والا" ہے [عِنْدَ] کا مادہ "ع ن د" اور وزن "فِعْلَ" ہے۔ یہ لفظ بطور اسم معرب (عِنْدٌ) شاذ ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "عنَد یعنِد عنودًا" (نصر، سمع، ضرب اور کرم سے) آتا ہے اور اس کے معنی "دور جانا، مڑ جانا، پھر جانا (جانتے بوجھتے حق کی مخالفت کرنا)" کہتے ہیں "عنِد فلانٌ" (فلاں نے دانستہ حق کی مخالفت کی)۔ عربی زبان میں اس مادہ سے مزید فیہ کے ابواب مفاعلہ، افتعال وغیرہ سے بھی مختلف معانی کے لیے افعال استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے کسی قسم کا کوئی صیغۂ فعل استعمال نہیں ہوا البتہ صرف اسم صفت "عَنِیْدٌ" چار جگہ آیا ہے جو بلحاظ معنی مذکورہ بالا فعل مجرد سے ہی مشتق ہے ــــــ اسی مادہ سے ایک لفظ "عِناد" (جو باب مفاعلہ کا ایک مصدر ہے) اردو میں بھی اپنے اصل عربی معنی (شدید مخالفت اور دشمنی) کے ساتھ مستعمل ہے۔

● "عِنْدَ" بنیادی طور پر ظرفِ مکان کے لیے بطور اسم ہے اور یہ ہمیشہ مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے (اسی لیے اس پر تنوین نہیں آتی) اور بوجہ ظرفیت ہمیشہ منصوب آتا ہے۔ (اسی لیے اس کی "د" مفتوح آتی ہے) اس کے بنیادی معنی "۔۔۔ کے پاس ہیں" اور یہ حاضر اور غائب چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "عندی مصحف" (میرے پاس ایک نسخۂ قرآن ہے) کا مطلب (۱) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصحف اس وقت میرے پاس موجود ہے اور (۲) یہ بھی کہ میرے گھر میں ہے یعنی میری ملکیت میں ہے ــــ بعض دفعہ یہ ظرف زمان کے طور پر بھی آتا ہے مثلاً "عندَ الفجر" (فجر کے قریب)۔ اس سے پہلے "مِنْ" (حرف الجر) بھی لگتا ہے اور یہ مجرور ہو کر استعمال ہوتا ہے (معنی وہی ظرف والے رہتے ہیں) مثلاً "مِنْ عندِہ" (اس کے پاس سے، اس کی طرف سے)۔ "مِنْ" کے علاوہ دوسرا کوئی حرف جر اس سے پہلے نہیں آتا مثلاً "ذھبتُ الی عندہ" کہنا بالکل غلط ہے (جو بعض جاہل عرب عوام بولتے ہیں) اس کی بجائے "ذھبتُ الیہ" (میں اس کے پاس گیا) کہنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

● بلحاظ موقع استعمال "عِندَ" مختلف مفہوم دیتا ہے۔ اگرچہ سب کی بنیاد "قرب" (پاس ہونا) ہی ہے مثلاً (۱) خیال اور اعتقاد کے لیے۔ جیسے کہیں "عِندی کذا" (میرے نزدیک/میرے خیال اور اعتقاد کے مطابق "یوں" ہے)؛ (۲) ملکیت کے مفہوم کے لیے۔ جیسے "عِندی مالٌ" (میرے پاس مال ہے یعنی میں مال رکھتا ہوں) (۳) "فیصلہ کے مفہوم میں ـــــ مثلاً عندی ھذا افضل من ھذا (میرا فیصلہ ہے کہ یہ اس سے اچھا ہے) (۴) رضا کاری کے مفہوم کے لیے مثلاً "فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ" (القصص: ۲۷) "یعنی اگر تو دس برس پورے کر دے تو یہ تیری مہربانی یا رضا کارانہ (بلا جبر) ہوں گے"۔

اردو میں ان تمام مواقع استعمال کے لحاظ سے "عِندَ" کا ترجمہ (۱) ۔۔۔ کے پاس (۲) ۔۔۔ کے ہاں (۳) ۔۔۔ کے نزدیک (۴) ۔۔۔ کے خیال میں (۵) ۔۔۔ کے لگ بھگ کی صورت میں کیا جا سکتا ہے اور "مِن عندِ ۔۔۔" کا ترجمہ حسبِ موقع (۱) "۔۔۔ کی طرف سے" "۔۔۔ کی جانب سے" (۲) "۔۔۔ کے پاس سے" کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔

● عربی زبان میں "عِندَ" کے ہم معنی اور اسی کی طرح اضافت کے ساتھ بطور ظرف استعمال ہونے والے دو اور اسم (ظرف) "لَدٰی" اور "لَدُنْ" ہیں۔ بظاہر ان کا ترجمہ بھی "۔۔۔ کے پاس" ہی کیا جا سکتا ہے مگر مفہوم اور استعمال میں قدرے فرق ہوتا ہے۔ "لدی" کا تلفظ اسم ظاہر یا ضمیر کی طرف مضاف ہوتے وقت مختلف ہوتا ہے اور "لدُن" کسی غیر حاضر یا غیر موجود (غائب) چیز کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ مزید تفصیل ان الفاظ کے اپنے موقع پر آئے گی۔

● اس طرح یہاں "عِندَ بَارِئِكُمْ" کا ترجمہ بیشتر مترجمین نے "تمہارے خالق / پیدا کرنے والے کے نزدیک" سے ہی کیا ہے اگرچہ بعض نے صرف "۔۔۔ کے پاس یا ۔۔۔ کے ہاں" سے بھی ترجمہ کیا ہے۔

۲:۳۴:۱(۷) [فَتَابَ عَلَيْكُمْ] یہ جملہ فعلیہ "فَ" (پس، اس کے بعد) + تَابَ (جن پر ابھی بات ہو گی + علی (پر) + کُمْ (تم) کا مرکب ہے۔

اس میں "تَابَ" کا مادہ "ت و ب" اور وزن اصلی "فَعَلَ" ہے۔ یہ دراصل "تَوَبَ" تھا جس میں واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے اور "تَابَ" ہو جاتا ہے۔ اب اس کا وزن "فَالَ" رہ گیا ہے۔

● اس مادہ سے فعل مجرد "تابَ یتوبُ توبۃً" کے باب معنی اور استعمال پر البقرہ: ۳۷ [۲:۳۷:۱(۴)] میں مفصل بات ہوئی تھی۔ وہاں یہ بھی بیان ہوا تھا کہ فعل "تابَ اِلٰی ۔۔۔۔۔ کے معنی "بندے کا رب کے سامنے) توبہ کرنا" اور تابَ علی ۔۔۔ کے معنی "اللہ کا (بندے کی) توبہ قبول فرمانا" ہوتے ہیں۔ آیت

© rasailojaraid.com

زیر مطالعہ میں "تاب" کے یہ دونوں استعمال آ گئے ہیں۔ ابھی اوپر [۲:۳۴:۱(۲)] میں آپ اس فعل کا "اِلی" کے ساتھ استعمال دیکھ آئے ہیں (فتوبوا الی ․․․․ میں)۔ اور اب یہاں ("فتاب علیکم" میں) "علی" کے ساتھ اس کے استعمال کی مثال سامنے آئی ہے۔ اس طرح "فتاب علیکم" کا ترجمہ ہوا "پس اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی / تم پر توجہ فرمائی ــــ" تاب یتوب" کے ان دونوں استعمالات کا فرق اور ہر ایک کا ترجمہ ذہن میں رکھیے۔ یہ فعل آگے چل کر بکثرت (ساٹھ سے زیادہ جگہ) سامنے آتے گا۔ خیال رہے کہ جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ (یا اس کے لیے کوئی ضمیر) ہو تو "علی" کا صلہ ضرور مذکور ہوتا ہے۔ مگر جب یہ فعل کسی بندے (یا اس کے لیے کسی ضمیر فاعل) کے ساتھ آئے تو بعض دفعہ "الی" کا صلہ محذوف بھی ہوتا ہے۔ دراصل وہاں "الی اللہ" ہی مراد ہوتا ہے۔

۲:۳۴:۱(۸) [اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ] اس میں ابتدائی حصہ [انہ ھو] تو "اِنَّ" (بے شک یا یقیناً) + "ہٗ" (وہ) + "ھُوَ" (وہ) کا مرکب ہے اس میں دو ضمیروں کے آجانے کی وجہ سے "․․․ یہ ھُوَ" کا ترجمہ "وہی ہے" تو وہی ہے کیا جائے گا۔ اس پر مزید بات "الاعراب" میں آئے گی۔

[الرَّحِيۡمُ] بمعنی "مہربان، نہایت مہربان یا رحم والا" کے مادہ، معنی وغیرہ پر الفاتحہ: الیعنی [۱:۱:۱(۳)] میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

[التَّوَّابُ] جو عبارت میں "الرحیم" سے پہلے ہے تاہم "الرحیم" کی لغوی بحث کے لیے سابقہ حوالہ کا اشارہ کافی تھا اس لیے اسے پہلے کر دیا گیا ہے اور لفظ "التواب" چونکہ ذرا وضاحت طلب ہے اور یہاں پہلی دفعہ آیا ہے اس لیے اس کی لغوی بحث بعد میں کی جا رہی ہے۔

اس لفظ (التَّوَّابُ) کا مادہ "ت و ب" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فَعَّالٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے معانی وغیرہ البقرہ: ۳۷ [۲:۲۷:۱(۴)] میں بیان ہو چکے ہیں۔ (اور آیت زیر مطالعہ میں بھی اس سے دو صیغہ ہائے فعل آ چکے ہیں) لفظ "توّابٌ" اس مادہ (یا فعل مجرد) سے اسم مبالغہ کا صیغہ ہے اور فعل تاب الی ․․․․ اور تاب علی ․․․․ کے دونوں معنی (توبہ کرنا۔ توبہ قبول کرنا) کے لحاظ سے اس لفظ (توّاب) کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں یعنی (۱) بار بار یا بکثرت توبہ کرنے والا اور (۲) بار بار یا بکثرت توبہ قبول کرنے والا۔

● یعنی یہ اسم صفت اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہو سکتا ہے اور قرآن کریم میں دونوں استعمال موجود ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ بندوں کی صفت کے طور پر صرف ایک جگہ (البقرہ: ۲۲۲) بصورت جمع مذکر سالم (التَّوَّابِيۡنَ) آیا ہے۔

© rasailojaraid.com

اور اللہ تعالیٰ کے لیے صفت کے طور پر یہ لفظ (بصورت معرفہ یا نکرہ) کل گیارہ جگہ آیا ہے - ان میں سے صرف ایک جگہ (النصر:۳) اکیلا "تَوَّابًا" آیا ہے باقی ۹ جگہ یہ کسی دوسری صفت کے ساتھ مل کر آیا ہے۔ اور زیادہ تر یہ "رحیم" کے ساتھ مل کر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ۶ جگہ تو "التواب الرحیم" ہی آیا ہے (جن میں سے ایک یہ زیرِ مطالعہ آیت ہے)۔ ایک جگہ "تواب رحیم" دو جگہ "توابًا رحیمًا" آیا ہے اور صرف ایک جگہ "تواب حکیم" آیا ہے۔

- اس (تواب) کے اردو ترجمہ میں اسم مبالغہ کی وجہ سے "بڑا" یا "بہت" لگانا ضروری ہے اگرچہ بعض نے اس کا ترجمہ عام اسم صفت کی طرح بھی کر دیا ہے اس طرح "التواب" کا ترجمہ عموماً تو "بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا معاف کرنے والا" کی صورت میں کیا گیا ہے بعض نے صرف "پھر آنے والا، معاف کرنے والا، توبہ قبول فرمانے والا" سے ترجمہ کیا ہے جس میں اسمِ مبالغہ کا مفہوم مفقود ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ احتراماً "توبہ قبول کرتے ہیں" سے کیا ہے مگر یہ لفظ سے [illegible] "تواب" صیغۂ فعل تو نہیں ہے۔ اسے صرف محاورے اور مفہوم کی بنا پر ہی درست کہا جا سکتا ہے۔

۲:۳۴:۲ الاعراب

زیرِ مطالعہ آیت دراصل تو سات چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے جن میں سے بعض جملوں کو فائے عاطفہ کے ذریعے باہم ملا دیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلے (۱) جملہ فعلیہ (واذقال موسی لقومہ) میں بنیادی فعل "قالَ" ہے۔ اس کے بعد جملہ ۲ تا ۵ (جیسا کہ آگے بیان ہوگا) اس فعل "قال" کے مفعول (یعنی مَقُوْل یا حکایۃ بالقول) کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا ان سب کو محلاً منصوب کہا جا سکتا ہے اس کے بعد جملہ ۶ اور ۷ کا تعلق اس "قال" سے نہیں ہے بلکہ وہ دو الگ خبریہ جملے ہیں۔ ہر ایک جملے کی الگ الگ ترکیب نحوی اور اعراب کا بیان یوں ہے۔

① وَاِذْقال موسی لقومہ

[وَ] کے ذریعے بعد کے جملے کو سابقہ جملے پر عطف کیا گیا ہے۔ یہاں ایسے متعدد جملے ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ [اِذْ] ظرفیہ ہے اور یہ ایک فعل محذوف (اذکروا) کا ظرف ہے [قال] فعل ماضی معروف ہے اور [موسی] اس (فعل قال) کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے جس میں بوجہ اسم مقصور ہونے کی علامت رفع ظاہر نہیں ہے۔

[لقومہ] لام الجر فعل "قال" کا صلہ ہے جو مخاطب سے پہلے لگتا ہے اور "قومہ" مرکب اضافی

© rasailojaraid.com

ہے جس میں "قوم" مضاف (اور خفیف ہے) اور ضمیر "ہ" مضاف الیہ ہے اور یہ مرکب اضافی (قومہ) مجرور بالجر (لِ) ہے علامتِ جر "م" کی کسرہ (ـِ) ہے اور یہ سارا مرکب جاری (لقومہ) متعلق فعل "قالَ" ہے۔ یہاں تک ابتدائی (ایک لحاظ سے نامکمل) جملہ پورا ہوتا ہے جس کے بعد اگلے جملے مقول یعنی فعل "قال" کے مفعول کے طور پر آتے ہیں۔

(۲) یاقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل؛

(یا) حرفِ ندا اور [قومِ] منادی مضاف (لہٰذا) منصوب ہے مگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہونے کے باعث اس (قومی) میں علامتِ نصب میم کی (جو فتحہ (ـَ) تھی) "گم" ہو گئی ہے۔ اور خود یائے متکلم کو بغرضِ اختصار کتابت اور تلفظ میں حذف کر دیا گیا ہے اب اس یائے متکلم (مضاف الیہ مجرور) کی علامت "قومِ" کی میم کی کسرہ (ـِ) رہ گئی ہے۔ [انکم] "اِنَّ" حرف مشبہ بالفعل اور "کُمْ" ضمیر منصوب متصل [illegible] [ظلمتم] یہ (پورا) جملہ فعلیہ ہے [فعل ماضی اور ضمیر فاعلین "انتم" مستتر مل کر] اور یہ (جملہ فعلیہ) "اِنَّ" کی خبر ہے لہٰذا اسے محلاً مرفوع کہہ سکتے ہیں۔ [انفسکم] مضاف (انفس) اور مضاف الیہ (کم) مل کر فعل "ظلمتم" کا مفعول (لہٰذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب اس میں "انفس" کے "س" کی فتحہ (ـَ) ہے۔ "انفس" آگے مضاف ہونے کی وجہ سے خفیف بھی ہے ــــ [باتخاذکم] میں "باء" (بِ) حرف الجر ہے اور "اِتخاذِ" مجرور اور آگے مضاف (لہٰذا خفیف) بھی ہے اور ضمیر مجرور "کُمْ" مضاف الیہ ہے۔ اور یہ مرکب اضافی (اتخاذکم) مجرور بالجر (بِ) ہے۔ اور یہ سارا مرکب جاری (باتخاذکم) متعلق فعل (ظلمتم) ہے ــ [العجلَ] یہ مصدر "اتخاذ" کا مفعول بہ واقع ہوا ہے۔ اس لیے منصوب ہے۔ علامتِ نصب آخری "لام" کی فتحہ (ـَ) ہے۔ (کیونکہ العجل معرف باللام بھی ہے)۔ یہاں مصدر نے فعل کا سا عمل کیا ہے۔ (مصدر اور بعض اسمائے مشتقہ اسم الفاعل اسم المفعول وغیرہ فعل کا سا عمل کرتے ہیں) گویا تقدیرِ عبارت یوں ہے "بِ(مَا) اتخذتم العجلَ" (بسبب اس کے جو پکڑا تم نے بچھڑے کو)۔ عبارت میں "اتخاذ" کا دوسرا مفعول (الہًا) محذوف (غیر مذکور) ہے۔ جو سیاقِ قصہ (تفسیر) سے معلوم ہوتا ہے۔ اس عبارت (باتخاذکم العجلَ) میں "اتخاذ" کا "مصدری ترجمہ" اور "مفعول ثانی" کے ذکر کے ساتھ ترجمہ حصہ اللغۃ میں بیان ہو چکا ہے دیکھئے ۲:۳۴:۱(۱) اور ۲:۳۴:۱(۲) کے درمیان یہ پورا جملہ (یاقوم ۔ ۔ ۔ ۔ العجلَ) اپنے سے سابقہ جملے (۱) "قال" "موسیٰ" کا مفعول بہ (مقول) ہو کر محلاً منصوب ہے۔

(۳) فتوبوا الی بارئکم

© rasailojaraid.com

[فَ] عاطفہ سببیہ ہے (بمعنی لہٰذا، اس لیے) [توبوا] فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین "انتم" مستتر ہے۔ [الی بارئکم] میں "الی" حرف الجر ہے جو در اصل یہاں فعل "توبوا" کا صلہ ہے اور "بارئکم" مضاف (بَارِئٌ۔ جو مجرور بالجر بھی ہے اور بوجہ آگے مضاف ہونے کے خفیف بھی ہے) اور مضاف الیہ (کم) مل کر مجرور بالجر (الی) ہیں۔ اور یہ مرکب جاری (الی بارِئکم) متعلق فعل "توبوا" ہے (یعنی تم توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی جناب میں)

④ فاقتلوا انفسکم

یہاں بھی فاء [فَ] عاطفہ اور بلحاظ مفہوم تعقیب کے لیے ہے یعنی "توبہ" کے فوراً بعد یہ کام کرو"۔ اس طرح (فَ) کے بعد والا جملہ سابقہ جملہ (توبوا ....) پر عطف ہوتا ہے۔ اور [اُقتلوا] فعل امر مع ضمیر فاعلین "انتم" ہے۔ "فاقتلوا" میں "اُقتلوا" کا ابتدائی ہمزۃ الوصل فائے عاطفہ کی وجہ سے تلفظ سے ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ کتابت میں موجود رہتا ہے۔ [انفسکم] مضاف (انفس) اور مضاف الیہ (ضمیر مجرور "کم") مل کر فعل "اقتلوا" کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے علامتِ نصب "انفس" کی "س" کی فتحہ (ـَـ) ہے ــــــ اور یہ دونوں جملے (۳، ۴ مندرجہ بالا) بذریعہ "فا" (فَ) سابقہ (مفعول یعنی مقول) جملے پر عطف ہیں لہٰذا یہ بھی محلاً منصوب ہیں۔

⑤ ذلکم خیر لکم عند بارئکم

[ذلکم] اسم اشارہ مبتداء (مرفوع) ہے جس میں بوجہ مبنی ہونے کے کوئی ظاہر اعرابی علامت نہیں ہے۔ [خیرٌ] اس (اشارہ) کی خبر مرفوع ہے علامتِ رفع "ر" پر تنوین رفع (ـٌـ) ہے [لکم] لام الجر ("لَ" جو ضمیر کے ساتھ مفتوح آتی ہے) اور "کم" ضمیر مجرور ہے یہ مرکب جاری (لکم) متعلق خبر (خیرٌ) ہے یعنی خبر کی وضاحت ہے کہ "کیسے اور کس کے لیے" خیر (اچھا) ہے۔ [عندَ] ظرف مکان مضاف ہے لہٰذا منصوب ہے اور علامتِ نصب "د" کی فتحہ (ـَـ) ہے [بارئکم] مضاف ("بارِئِ") اور مضاف الیہ (ضمیر مجرور "کُم") مل کر ظرف مکان "عند" کا مضاف الیہ ہے۔ اس لیے "بارئِ" مجرور بالاضافہ ہے علامت جر "بارئ" کے آخری "ء" کی کسرہ (ـِـ) ہے اور یہاں یہ (بارئِ) آگے مضاف ہونے کے باعث خفیف (لام تعریف اور تنوین سے معری) بھی ہے۔ اور یہ مرکب (عند بارئکم) بھی دوسرا متعلق خبر ہے یعنی یہ "خیر" کی ایک دوسرے پہلو سے وضاحت ہے ــــــ یہاں تک (۱، ۲، ۳، ۴، ۵ مل کر) مقول یعنی فعل "قال موسیٰ" (۱) کا مفعول مکمل ہوتا ہے۔ یعنی یہاں تک "قول موسیٰ" (علیہ السلام) تمام ہوتا ہے۔ اس لحاظ

© rasailojaraid.com

سے ۵۴ تا ۵ ایک ہی مربوط جملہ ہے۔

۶ فتاب علیکم

[فتاب] میں فاء [فَ] ایک محذوف فعل پر عطف ہے یعنی تقدیر (دراصل) عبارت یوں بنتی ہے "ففعلتم ما اُمرتم" (پس تم نے اس کے حکم کی تعمیل کی) پس ...... اور [تاب] فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب جس میں ضمیر فاعل "ھو" مستتر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور [علیکم] جارّ (علی) اور مجرور (کم) مل کر متعلق فعل "تاب" ہے۔ یا یوں کہیے کہ "علی" فعل (تاب) کا صلہ ہے اور "کُم" اس کا مفعول بہ ہے یعنی "علیکم" محلاً منصوب ہے۔ یہ (فتاب علیکم) سابقہ جملوں (۵۴ تا ۵) سے الگ جملہ خبریہ ہے یعنی اس کا فعل "قال موسی" کے مقول یا مفعول بہ سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ ابتدائی "واذ" کے ساتھ اس کا تعلق بنتا ہے۔

۷ انہ ھو التواب الرحیم

[انہ] میں "اِنّ" حرف مشبہ بالفعل بمعنی "بے شک" اور "ہ" ضمیر منصوب بمعنی "وہ" اس کا اسم ہے [ھو] ضمیر فاصل ہے جس کا زور اردو ترجمہ میں "ہی" سے ظاہر ہوتا ہے اور [التواب] "اِنّ" کی خبر اول اور [الرحیم] اس کی خبر ثانی ہے ——— اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "ھو" مبتدا ہے اور "التواب الرحیم" اس کی دو خبریں ہیں اور خبر کے معرفہ ہونے کی وجہ سے بھی اردو ترجمہ میں "ہی" لانا ہوگا۔ اور یہ سب (ھو التواب الرحیم) جملہ اسمیہ ہو کر (انہ کے) "اِنّ" کی خبر ہے یہ ساری عبارت (انہ ... الرحیم) ایک الگ مستقل جملہ خبریہ ہے یعنی اس کا آیت کے سابقہ حصے سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے اس سے پہلے جملے (فتاب علیکم) کے بعد وقف مطلق کی علامت (ط) ڈالی گئی ہے اس جملے (۷) کے الگ الگ اجزاء پر لغوی بحث مع لفظی ترجمہ اوپر ۲:۳۴:۱(۸) میں گزر چکی ہے جس کی مدد سے آپ بلحاظ ترکیب نحوی اس جملے کا اردو ترجمہ کر سکتے ہیں۔

۲:۳۴:۳ الرسم

زیر مطالعہ آیت کے قریباً تمام کلمات (جو ۲۵ سے زائد ہیں) کا قرآنی اور املائی رسم الخط یکساں ہے صرف دو کلمات غور طلب ہیں: "یقوم" اور "ذلکم"

① یقوم: جس کا رسم املائی "یا قوم" ہے قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ (یہ لفظ قرآن میں ۴۷ جگہ آیا ہے) بحذف الالف بعد الیاء (یقوم) لکھا جاتا ہے۔ بلکہ علم الرسم کا یہ قاعدہ ہے کہ ندا کا حرف "یا" جہاں بھی قرآن کریم میں آیا ہے اس کے ساتھ الف نہیں لکھا جاتا۔ البتہ پڑھا ضرور جاتا ہے جسے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

بذریعہ ضبط ظاہر کیا جاتا ہے[1] جیسے "یموسیٰ، ینوح، یرب" وغیرہ میں۔

(۲) "ذلکم" (اور اس قسم کے دیگر اشارات ذلک، ذلکن وغیرہ بھی) قرآن کریم میں ہر جگہ بحذف الف بعد الذال لکھے جاتے ہیں[2] بلکہ ان کا عام رسمِ املائی بھی یہی (بحذف الف) ہے عام عربی میں "ذالک یا ذالکم" باثبات الالف لکھنا غلط ہے یوں سمجھئے کہ اس لفظ (ذلکم) کی املاء عام رسمِ املائی پر رسمِ قرآنی یا عثمانی کے اثرات کا ایک مظہر یا نمونہ ہے۔ خیال رہے کہ اصل چیز رسمِ مصحف ہی تھا جس میں مرورِ زمانہ اور تطور املاء کے ساتھ بعض تبدیلیاں ہو کر رسمِ املائی وجود میں آیا۔ یہ نہیں کہ رسمِ املائی میں بعض تبدیلیاں کر کے رسمِ مصحف "بنایا" گیا۔ (جیسے کہ بعض حضرات کا موقف ہے)

۲:۳۴:۴ الضبط

آیت زیرِ مطالعہ میں ضبط کا تنوع درج ذیل نمونوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

وَاِذْ، اِذْ/ قَالَ، قَالَ، قَالَ/ مُوسٰی، مُوسَىٰ،
مُوسٰی/ لِقَوْمِهٖ، لِقَوْمِهٖ، لِقَوْمِهٖ/
لِقَوْمِهٖ/ يٰقَوْمِ، يٰقَوْمِ، يٰقَوْمِ/ اِنَّكُمْ، اِنَّكُمْ،
اِنَّكُمْ/ ظَلَمْتُمْ، ظَلَمْتُمْ/ اَنْفُسَكُمْ،
اَنْفُسَكُمْ، اَنْفُسَكُمْ/ بِاتِّخَاذِكُمُ، بِاتِّخَاذِ
كُمُ، بِاتِّخَاذِكُمُ، بِاتِّخَاذِكُمُ/ الْعِجْلَ، اَلْعِجْلَ،
اَلْعِجْلَ/ فَتُوبُوْا، فَتُوبُوا، فَتُوبُوْا، فَتُوبُوْا/
اِلٰى، اِلٰى/ بَارِئِكُمْ، بَارِئِكُمْ، بَارِئِكُمْ/
فَاقْتُلُوْا، فَاقْتُلُوْا، فَاقْتُلُوْا/ اَنْفُسَكُمْ، اَنْفُسَكُمْ،
اَنْفُسَكُمْ/ ذٰلِكُمْ، ذٰلِكُمْ، ذٰلِكُمْ/ خَيْرٌ، خَيْرٌ/

---

[1] و [2] بیان قاعدہ کے لیے دیکھئے المقنع (الدانی) ص ۱۶، دلیل الحیران ص ۱۱۱۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

لَکُمْ، لَکُمْ/ عِنْدَ، عِنْدَ/ بَارِئِکُمْ (مثل سابق) /فَتَابَ
فَتَابَ، فَتَابَ/ عَلَیْکُمْ، عَلَیْکُمْ/ اِنَّہٗ، اِنَّہٗ، اِنَّہٗ؛
اِنَّہٗ/ ھُوَ، ھُوَ/ التَّوَّابُ، اَلتَّوَّابُ، اَلتَّوَّابُ/
الرَّحِیْمُ، الرَّحِیْمُ، اَلرَّحِیْمُ، اَلرَّحِیْمُ۔

حدیثِ قدسی
"الصَّومُ لی وَأنَا أجزِی بہ"
میں مضمر حکمتِ دین کے بیش بہا خزانے کے حصول
اور عظمتِ انسان سے واقفیت کے لیے
ڈاکٹر اسرار احمد
کی "بقامت کہتر و بقیمت بہتر" تحریر
عظمتِ صوم
کا مطالعہ فرمائیں
شائع کردہ: مرکزی انجمن خدّامُ القرآن لاہور

© rasailojaraid.com